افراط زر کے عصری رجحانات، اسباب اور تدارک: فقہ اسلامی کے تناظر میں قاضی ابو یوسف کی آراء کا اختصاصی مطالعہ

Fiscal Inflation, its Emerging Trends, Causes and Remedies: A Research Appraisal of the Views of Qazi Abu-Yousuf in the Light of Islamic Law

Dr. Hafiz Muhammad Hassan Mahmood
Lecturer, University of Education Lahore, Vehari Campus:
irhasan.mahmood@gmail.com

Dr Muhammad Hussain Azad
Professor and Head, Department of Islamic Studies,
NCBA&E, Lahore (Multan Sub-Campus):
drmhazad56@gmail.com

Hafiz Muhammad Usman
PhD Scholar, Gomal University, D.I.Khan:
C.E.O. Muslim Intellectuals Research Center (MIRC-PK), Multan-Pakistan,
ceo@mircpk.net

Abstract

This study aims to discuss and investigate the causes and remedies of Inflation according to Qazi Abu-Yousuf's views from the Islamic Law perspective. Inflation is one of the most important issues of Economics, and its production is a central part of determining the prices of the commodities of daily life; it decreases the value of paper currency or purchasing power, and resultantly, negative economic consequences arise, including the hike in the prices of goods and services. Islamic Scholars discussed its root causes and purposed a solution to counter its effects. All four Imams were mousing using real money despite paper currency, but they did not suggest any appropriate measures to tackle this important aspect. Hence the views of Imam Abu-Yousuf are different to these scholars as he not only discussed inflation but also suggested some important solutions to it. In this article, the views of the four Imams have been discussed in general, and the views of Qazi Abu-Yousuf have been focused on in particular.

Keywords: Fiscal Inflation, Causes and Remedies, Four Imams, Abu-Yousuf, Islamic Law.

افراط زر (Inflation) مالیاتی امور کی ایک اصطلاح ہے۔ افراطِ زر کا مطلب اشیاء کی قیمتوں میں مسلسل اضافے کی شرح بیان کیا جاتا ہے۔ افراط زر کا اظہار مہنگائی کی صورت میں ہوتا ہے۔ تاہم ہر معیشت میں کم و بیش افراط زر کی موجودگی لازمی امر ہے۔ یہ اوسطاً 5 سے 6 فیصد سالانہ رہتا ہے۔ تاہم دیوالیہ معیشتوں میں افراط زر ہزار فیصد سے بھی تجاوز کر سکتا ہے۔ اس کو مناسب دائرہ تک محدود رکھنا مرکزی بینک کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ افراط زر کی بنیادی وجہ اور مزید اسباب کیا ہیں اور ان کا تدارک کس طور ممکن ہے؟ اہل علم کے نزدیک اس کا تدارک کس طور ممکن ہے؟ مزید براں اس مضمون میں افراطِ زر کے عوامل واسباب اس کے اثرات اور انواع پر روشنی ڈالی جائے گی۔

1 افراط و تفریط زر کا معنی و مفہوم

عربی میں افراط زر کو رخص "یا" تضخم" بھی کہتے ہیں، اور تفریط زر کو "غلاء" یا انکماش "کہتے ہیں، رخص اور غلاء قدیم الفاظ ہیں جو فقہاء نے بھی ذکر کیے ہیں اور تضخم و انکماش جدید الفاظ ہیں جو کتب جدیدہ میں مذکور ہیں۔

"رخص" کے معنی سستا ہونے کے ہیں یعنی قدر گھٹ گئی، اور یہی افراط ہے۔ اور غلاء کا معنی مہنگا ہونے کے ہیں یعنی قدر بڑھ گئی، اور ہی تفریط ہے۔[1] تضخم" کے معنی موٹا ہونے اور بڑھنے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زر کی مقدار بڑھ گئی، اور یہی افراط ہے، اور انکماش کے معنی سکڑنے کے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ زر کی مقدار سکڑ گئی، اور یہی تفریط ہے۔[2] افراط و تفریط ایک دوسرے کی ضد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ کیونکہ لغت کے اعتبار سے افراط باب افعال کا مصدر جس کا معنی "جانب زیادتی اور حد سے آگے بڑھ جانے کے آتے ہیں۔ سادہ لفظوں افراط، زیادتی مبالغہ اور کمال کو کہتے ہیں۔ جبکہ اس کے مقابلے میں لغوی اعتبار سے تفریط باب تفعیل کا مصدر ہے۔ لغت میں اس کا معنی ضائع کرنا، الگ الگ کر دینا، کوتاہی کرنا وغیرہ آتا ہے۔ عرفاً تفریط کے لفظ سے کمی اور تقصیر مراد لیا جاتا ہے جو اس کے لغوی معنی کے قریب قریب ہی ہے۔[3]

> "جب زر کا پھیلاؤ زیادہ ہو جائے تو اشیاء کی طلب (Demand) بڑھ جاتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اشیاء کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے زر کی قدر (Value) میں کمی کی جاتی ہے اس صورت حال کو افراط زر

---

[1] بلیلاوی، عبد الحفیظ، مولانا، مصباح اللغات، مکتبہ قدوسیۃ، موٹروے پریس لاہور، جولائی ۱۹۹۹ ص:227,580

[2] ایضا، ص: ۱۷۴

[3] اصفھانی، راغب علامہ، مفردات القرآن، مکتبۃ دار العلم قاھرہ مصر، ص: ۲۰۰، ۲۰۱

(Inflation) کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جب زر کا پھیلاؤ کم ہو جائے جس سے اشیاء کی قیمتوں میں کمی ہو جاتی ہے۔ اور زر کی قدر میں اضافہ ہو جاتا ہے تو اس صورت حال کو تفریط زر (Deflation) کہا جاتا ہے۔"[4]

افراط زر، اہل معیشت کی نظر میں

افراط زر کو کلاسیکل معیشت دانوں نے پہلی بار متعارف کرایا ان کے خیال میں افراط زر سے مراد ایسی صورت حال ہے کہ جس میں "زر کی مقدار میں حد سے زیادہ اضافہ ہونے کے نتیجے میں اشیاء میں تیزی سے اضافہ ہونے لگتا ہے۔[5]

دور حاضر کے معیشت دان افراط زر کو محض زر کی رسد میں اضافے کا سبب قرار نہیں دیتے بلکہ اسے متعدد وجوہات میں سے ایک اہم ترین وجہ تصور کرتے ہیں ان میں سے ایک نام شیخ مبارک علی کا بھی ہے۔ وہ افراط زر کی تعریف یوں کرتے ہیں: قیمتوں کی سطح میں مستقل اور مسلسل اضافے کا نام افراط زر ہے۔[6] اس تعریف میں زر کی قدر میں اضافہ کی قید نہیں۔

2 افرازر کی چند مشہور اقسام

اپنی شدت اور کمی کے لحاظ سے افراط زر کی متعدد قسمیں ہیں جن میں بعض مشہور قسمیں درج ذیل ہیں۔

رینگتا ہوا افراط زر:

یہ اثرات کے لحاظ سے افراط زر کی سب سے سست قسم ہے، اس لئے معیشت کے لئے زیادہ خطرناک نہیں تصور کی جاتی، عموماً ۳٪ سالانہ کے حساب سے قیمتوں میں مسلسل اضافے کو رینگتے ہوئے افراط زر سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اچھلتا ہوا افراط زر:

یہ افراط زر پہلی قسم کی نسبت سے زیادہ تیز رفتار ہوتا ہے۔ عموماً 3 سے 6 سالانہ اضافہ کو اچھلتا ہوا افراط زر کہتے ہیں۔

تیز رفتار افراط زر:

قیمتوں میں ۱۰٪ سالانہ اضافے کو کہتے ہیں۔

---

[4] عثمانی، محمد تقی، مفتی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف کراچی، طبع اول ۱۳۱۹ ھجری، ص ۱۰۸

[5] عصمت اللہ، مولانا، ڈاکٹر، زر کا تحقیقی مطالعہ، ادارۃ المعارف کراچی، ستمبر ۲۰۰۹، ص:296

[6] مبارک علی، شیخ، تعارف زر و بنکاری، رھبر پبلشرز کراچی، طبع اول ۱۹۹۱ء، ص:۸۳

شدید افراط زر:

اس میں ہر ماہ قیمتوں میں ۲۰ تا ۳۰ کے حساب سے اضافہ ہوتا ہے۔

رکودی افراط زر:

جب معیشت گرم بازاری کے بعد مراجعت (Recession) اور افراط زر کے اثرات سے بیک وقت دوچار ہوتی ہے تو یہ حالت رکودی افراط زر کی ہوتی ہے، اس میں اس میں ایک طرف پیداوار میں جمود کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دوسری طرف قیمتوں میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے، اپنے اثرات کے لحاظ سے یہ سب سے خطرناک قسم ہے۔[7]

3 افراط اور تفریط زر سے متعلق شرعی نقطہ نظر

زر کے مہنگے اور سستے ہونے کے بارے میں فقہاء کے دو قول معروف ہیں، ایک قول جمہور علماء کا ہے، اور دوسرا قول قاضی ابو یوسف کا ہے۔

قول جمہور

ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ زر مہنگا ہو یا سستا ہو، دین دار کے ذمہ وہی نقد واجب ہوگا جو بوقت معاملہ اس کے ذمہ واجب ہو چکا تھا، اس کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک "رخص وغلاء کا شریعت میں کوئی اعتبار ہیں، اور اس سے قرض دین یا اجرت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اور اگر عقد کے وقت فلوس کی قیمت ایک ہزار درہم تھے اور بعد میں ان کی قیمت سورہ گئی، یا وقت عقد فلوس کی قیمت ایک سو درہم تھی، اور بعد میں ان کی قیمت ایک ہزار ہوگئی، دونوں صورتوں میں وہی فلوس ادا کرنے ہوں گے، جو دین دار کے ذمہ واجب تھے، سو ہونے یا ایک ہزار ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔[8]

ذیل میں چند دیگر فقہاء کرام کی کتب کے حوالے سے اس پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

احناف کی رائے

"اذا استقرض فلوسة، فکسدت، فان علی قول ابی حنیفة یرد عینها ان کانت قائمة، و مثلها ان کانت هالکة وعلی قول ابی یوسف و محمد یرد

---

[7] عصمت اللہ، مولانا، ڈاکٹر، زر کا تحقیقی مطالعہ، ص: ۲۹۸

[8] عصمت اللہ، مولانا، ڈاکٹر، زر کا تحقیقی مطالعہ، ص ۳۰۲

عينها ان كانت قائمة، وان كانت هالكة، فعليه قيمتها، وفي روا ية عليه قيمتها على كل حال. و في المنتقى ما يدل على هذا القول فقد ذكر ثمه انه اذا استقرض فلوسا فكسدت فعليه مثلها في قول ابي حنيفة۔"[9]

اگر کسی نے کچھ فلوس قرض لیے پھر وہ کاسد ہو گئے تو امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق اگر وہ موجود ہیں تو بعینہ وہ ہی واپس کر دے اور اگر وہ ہلاک (خرچ) ہو گئے تو ان کی مثل اس پر واجب ہے۔ اور صاحبین کے قول کے مطابق اگر موجود ہوں تو وہ ہی واپس کر دے اور اگر خرچ ہو گئے ان کی قیمت اس پر واجب ہے اور ان سے ہی ایک روایت کے مطابق اس پر ہر حال میں ان کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔ جب کہ المنتقی میں امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق اگر کسی نے کچھ فلوس قرض لیے پھر وہ کاسد ہو گئے تو اس پر ان کی مثل واجب ہو گی۔

مالکیہ کا موقف

اور ان بطلت فلوس ترتبت لشخص على آخراى قطع التعامل بها بالكلية واوليتغيرها بزيادة اونقص مع بقاء عينها ، فالمثل على من ترتبت في ذمته قبل قطع التعامل بها او التغير ، ولوكانت حي العقد مائة درهم ، ثم صارت الفا به كما فيالمدونة اى اوعكسة لانها من المثليات ۔[10]

اور اگر وہ فلوس جو کسی کے لیے کسی کے ذمہ واجب تھے متروک التعامل ہو گئے اور اس حکم میں فلوس کا زیادتی یا نقصان کے ساتھ تغیر ہونا بطریق اولی شامل ہے تو اس صورت میں دین دار پر مثل واجب ہے، اگر چہ عقد کے وقت فلوس سو درہم کے برابر تھے، اور پھر ایک ہزار ہو گئے، یا اس کے بر عکس، کیونکہ فلوس مثلیات میں سے ہیں۔ جبکہ حاشیہ دسوقی میں ہے۔

"اذا بطلت فلوس ترتبت لشخص على غيره بقرض اوبيع اونكاح اوكانت عنده وديعة و تصرف فيها، وكذالو دفعها لمن يعمل بها قراضا ، فلو واجب المثلى على من ترتبت في ذمته ، ولوكانت الفلوس حين العقد مائة بدرهم صارت الفابه"[11]

---

9 صدر الشریعہ، برھان الدین محمود، المحیط البرھانی، کتاب البیوع، فصل القروض، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، طبع اول ۲۰۰۳ء، ج ۱۰، ص: ۳۵۴

10 الزرقانی، محمد بن عبد الباقی ان یوسف، علامہ، شرح الورقانی علی مختصر سیدي خلیل، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، طبع اول ۲۰۰۳ء، ج:۵، ص:۶۰

11 الدسوقي، شمس الدین محمد، علامہ، حاشیہ الدسوقي علی شرح الکبیر، دار الفکر، بیروت لبنان ج:۲، ص:۳۵۳

جب وہ فلوس باطل ہو جائیں، جو کسی شخص کے دوسرے کے ذمہ واجب تھے، خواہ قرض کے طریقے سے یا بیع یا نکاح کے طریقے سے، یا اس کے پاس ودیعت کے طور پر رکھے ہوئے تھے، اور اس نے ان میں تصرف کیا، اسی طرح اگر اس کو مضاربت کے طور پر دیئے تھے تو ان تمام صورتوں میں دین دار کے ذمہ مثل واپس کرنا ضروری ہے، اگرچ فلوس عقد کے وقت ایک درہم کے بدلے سو تھے، اور بعد میں ایک ہزار ہو گئے۔

شوافع کا نقطہ نظر

"ویرد وجوبالمثل في المثلی بالعین حیث لا استبدال المثل في المثلی بالقیمةلانه اقرب الی حقه"[12]

مثلی اشیاء میں مشکل ہی واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ مٹی میں مثلی کو قیمت کے ساتھ تبدیل کرنا درست نہیں اس لیے کہ یہ حق دار کے حق کے زیادہ قریب ہے۔

حنابلہ کا موقف

"و اما رخص السعر فلا یمنع سواء کان قلیلا اوکثیرا لانه لم یحدث فیها شئ انماتغیر السعر فاشبه الحنطة اذا رخصت اوغلت۔"[13]

جہاں تک قیمت کا گھٹنا ہے تو یہ مانع نہیں، خواہ یہ کمی زیادہ ہو، یا کم ہو، کیونکہ اس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی، صرف ریٹ بدل گیا تو یہ ایسا ہوا جیسا کہ گندم کی قیمت گھٹ جائے یا بڑھ جائے۔

امام ابو یوسف کا موقف

امام ابو یوسف کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ زر کے مہنگا ہونے یا سستا ہونے کی صورت میں قیمت ادا کرنا واجب ہے۔ حضرات حنفیہ کے ہاں فتوی اور عمل اسی قول پر ہے، اگر قرض ہو تو قرض میں یوم القبض کی قیمت کا اعتبار ہے۔ اور اگر بیع ہو تو بیع میں یوم العقد کی قیمت کا اعتبار ہو گا۔ چنانچہ امام ابو یوسف کا موقف بیان کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شام لکھتے ہیں:

"اذا غلت الفلوس قبل القبض اورخصت ، قال ابو یوسف قولی وقول ابی حنیفة في ذلك سواء ولیس له غیرها ثم رجع ابو یوسف وقال: علیه

[12] الھیتمی، ابن حجر شافعی، علامہ، تحفۃ المحتاج بشرح المنھاج، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر طبع اول ۱۹۸۳ء، ج:۵، ص:۴۴

[13] ابن قدامۃ، شمس الدین عبد اللہ، علامہ، المغني والشرح الکبیر، مکتبۃ الریاض، السعودیہ، ۱۴۰۳ ھجری، ج:۲، ص:۴۴۲

قيمتها من الدراهم يوم وقع البيع اي في صورة البيع و يوم وقع القرض اي في صورة القرض ، وبه علم ان في الرخص والغلاء قولان :الأول: ليس له غيرها والثاني : قيمتها يوم البيع وعليه الفتوى "[14]

قبضے سے پہلے فلوس مہنگے ہو گئے یا سستے ہو گئے تو امام ابو یوست نے فرمایا کہ اس میں میر ا اور امام ابو حنیفہ کا قول ایک ہے اور یہ کہ اس کو یہی فلوس ملیں گے لیکن بعد میں امام ابو یوسف نے رجوع فرمایا، اور فرمایا کہ اس پر دراہم کی شکل کا اعتبار ہو گا، اگر بیع ہو اور یوم القبض کی قیمت کا اعتبار ہو گا، اگر معاملہ قرض کا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ رخص اور غلاء میں دو قول ہیں، پہلا یہ کہ مثل واجب ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یوم البیع کی قیت واجب ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔

ایک اور مقام پر علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں

اذا غلت قيمة الفلوس او انتقصت ، فالبيع على حاله ولا يتخير المشتري طالب بالنقد بذلک العيار الذي كان وقت البيع عن المنتقى غلت الفلوس اوررخصت فعند الامام الاول و الثاني اولاوليس عليه غيرها ، وقال الثاني ثانيا: عليه قيمتها من الدراهم يوم البيع والقبض وعليه الفتوى، والخلاصة بالعزو الى المنتقى وقد نقله شيخنا في بحره وقره فحيث صرح بان الفتوى عليه في كثير من المعتبر اتفيجب ان يعول عليه افتاء وقضاء الخ ۔[15]

جب فلوس کی قیمت بڑھ جائے یا گھٹ جائے تو بیع اپنے حال پر بر قرار رہے گی، اور مشتری کو فسخ کا اختیار بھی نہیں رہے گا۔ اور مشتری سے اس زر کا مطالبہ کیا جائے گا۔ جو بیع کے وقت تھا، اسی طرح فتح القدیر میں بھی مذکور ہے، اور بزازیہ میں المنتقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ فلوس کی قیمت بڑھ گئی، یا گھٹ گئی، تو امام اول اور امام ثانی کے نزدیک پہلے یہ مسئلہ تھا کہ مشتری کے ذمہ ان متغیرہ فلوس کے علاوہ مزید کچھ واجب نہیں، اور امام ثانی (امام ابو یوسف) نے بعد میں کہا کہ اس پر دراہم کی شکل میں ان فلوس کی قیمت واجب ہو گی، اور اسی پر فتوی ہے، اسی طرح ذخیرہ اور خلاصہ میں منتقی کے حوالے سے ہے، اور اس کو ہمارے شیخ

14 الشامی، محمد امین المعروف ابن عابدین، علامہ، تنبیہ الرقود علی مسائل النقود، سھیل اکیڈمی لاھور پاکستان، طبع اول ۱۹۵۱، ج ۲، ص:۵۸

15 الشامی، محمد امین المعروف ابن عابدین، علامہ، تنبیہ الرقود علی مسائل النقود، ج:۳، ص:۶۰

نے اپنے بحر میں نقل کیا ہے، اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ بہت ساری مستند کتابوں میں اس پر فتوی نقل کیا گیا ہے۔ لہذا اسی پر فتوی میں بھی اور قضاء میں بھی اعتماد کرنا چاہیے۔

علامہ ابن عابدین شامی سے العقود الدریہ میں منقول ہے

"وان رخصت اوغلت فقيل ليس للبائع غيرها ، أي يجب على المشتري رد المثل وقيل : تجب قيمتها يوم البيع أو يوم القيض في صورة القرض ، وعليه الفتود"[16]

اور اگر فلوس سستے ہو گئے یا مہنگے ہو گئے تو ایک قول یہ ہے کہ بائع کو یہی فلوس ملیں گے یعنی مشتری پر مثل واپس کرنا واجب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں یوم البیع اور قرض میں یوم القبض کی قیمت ادا

کرنا واجب ہے، اور اسی پر فتوی ہے" علامہ ابن عابدین نے اس بات پر علامہ غزی کا جزم ذکر فرمایا ہے کہ اس سلسلے میں فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"وقد تتبعت كثيرا من المعتبرات مين كتب مشائخنا المعتمده فلم ارمن جعل الفتوى على قول أبي حنيفة بل قالوا به كان يفتي القاضي الأمام واما قول ابى يوسف فقد جعلوا الفتوى عليه في كثير من المعتبرات فليكن المعول عليه۔"[17]

میں نے (علامہ غزی نے) اپنے مشائخ کی بہت ساری معتبر کتابوں کا مطالعہ کیا تو میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوی دیا ہو، البتہ ان کے قول کے مطابق قاضی امام فتوی دیا کرتے تھے، جہاں تک امام ابو یوسف کے قول کا تعلق ہے، تو اس کے مطابق بہت ساری معتبر کتابوں میں فتوی دیا گیا ہے۔ لہذا اسی پر اعتماد کرنا چاہیے۔

قاضی ابو یوسف کی رائے کا کرنسی نوٹ پر اطلاق

یہاں یہ بات سمجھنی نہایت ضروری ہے کہ غلاء اور رخص کے سلسلے میں حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول امام ابو یوسف کا ہے کہ فلوس کے سستے ہونے یا مہنگے ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک مثل واپس کرنا ضروری نہیں بلکہ قیمت واپس کرنا ضروری

[16] الشامی محمد امین المعروف ابن عابدین، علامہ، العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، دار المعرفۃ بیروت لبنان، طبع دوم ۲۰۰۹ء، ص: ۲۸۰

[17] الشامی، محمد امین المعروف ابن عابدین، علامہ، تنبیہ الرقود علی مسائل النقود، ج: ۲، می: ۶۵

ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے فلوس میں غلاء اور رخص کا اعتبار کیا، تو کیا غلاء اور رخص کا اعتبار موجودہ کرنسی میں بھی ہو گا ،اور کرنسی نوٹوں میں بھی امام ابویوسف کے قول کے مطابق افراط اور تفریط زر کی صورت میں قیمت کا اعتبار ہو گا؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو قرض دیا تھا، یا اس کے ذمہ اس کا دین تھا اور بعد میں افراط زر کے نتیجے میں کرنسی نوٹ کی قدر گر گئی جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے تو اب حق دار کو کچھ مزید دیدے، تاکہ افراط زر کے نتیجے میں جو کمی واقع ہوئی ہے وہ پوری ہو جائے لیکن اس طرح ربا کا درواز کھل جائے گا، اور اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر فلوس اور کرنسی نوٹوں میں فرق بیان کرنا ضروری ہو گا۔ معلوم ہوا کہ کرنسی نوٹ فلوس کی طرح نہیں ہیں لہذا فلوس میں امام ابویوسف کے قول کو اختیار کرنے سے اور اس پر فتوی دینے سے لازم نہیں آتا کہ یہی معاملہ موجودہ کرنسی نوٹوں کے ساتھ بھی ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس زمانے میں فلوس سورنے چاندی کے ساتھ مربوط تھے، اور سونے چاندی کی بنیاد پر ہی ان کی قیمت مقرر ہوتی تھی۔ اور فلوس سونے چاندی کے لیے بطور یز گاری استعمال ہوتے تھے۔ مثلا:۱۰ فلس—درہم یعنی یک فلس درہم کا دسواں حصہ (۱/۱۰) ہو گیا لیکن ایک فلس کی یہ قیمت اس کی ذاتی قیمت کی بنیاد پر مقرر نہیں ہوتی تھی، بلکہ ایک ایسی علامتی قیمت ہوتی تھی، جس کو لوگوں نے اصطلاح بنایا تھا، اس لیے ممکن تھا کہ لوگ اس اصطلاح کو تبدیل کر دیں کہ اب ۲۰ فلس = درہم یعنی ایک فلس درہم کا بیسواں حصہ (۱/۲۰) ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلوس سستے ہو گئے۔ اور فلوس کی قیمت و قدر کم ہوئی اور ممکن تھا کہ لوگ یہ اصطلاح مقرر کریں کہ اب ۵ فلس = درہم ہو گیا یعنی کہ فلس درہم کا پانچواں حصہ (۱/۵) ہو گیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلوس کی قدر بڑھ گئی۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کساد، غلاء اور رخص کے ان احکام اور تفصیلات کا تعلق ثمن خلقی سے نہیں، بلکہ صرف ثمن عرفی سے ہے، کیونکہ ثمن خلقی مثل سونا چاندی کی ثمنیت کبھی بھی باطل نہیں ہوتی تو اس میں کساد کا تصور نہیں، اسی طرح غلاء یا رخص سے اس میں زیادہ تغیر واقع نہیں ہوتا جس سے عاقدین کو نقصان یا ضرر پہنچ جائے تو یہاں اس قسم کی تفصیل کی ضرورت نہیں اور سونے چاندی میں مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے اور کسی کے نزدیک بھی قیمت کا اعتبار نہیں ہے۔

لیکن جہاں تک موجودہ کرنسی نوٹوں کا تعلق ہے، ان کا کسی دوسرے ثمن کے ساتھ کوئی ربط اور تعلق نہیں ہے، اور نہ یہ نوٹ کسی اور ثمن کے لیے بطور ریز گاری اور اجزاء کے استعمال ہوتے ہیں، اور نہ ہی نوٹ خود مستقل ثمن ہیں لہذا کرنسی نوٹوں کو فلوس پر قیاس کرنا درست نہیں، اس کے علاوہ فلوس کی صحیح قیمت معلوم کرنا ممکن تھا، کیونکہ وہ سونے یا چاندی کے ایک خاص معیار کے ساتھ مربوط تھے، بخلاف کرنسی نوٹوں کے کہ ان کا کوئی حقیقی معیار ہیں، بلکہ اس میں اشیاء کی قیمتوں کو دیکھ کر اندازہ اور

تخمین سے کام لیا جاتا ہے، جس کا شریعت میں کوئی اعتبار ہیں۔ اسی وجہ سے ان کاغذی کرنسی نوٹوں میں افراط زر (کساد بازاری) واقع ہونے کے شدید خطرات ہر وقت پائے جاتے ہیں۔

4 حالیہ افراط زر اور کرنسی نوٹ کا کردار

کاغذی کرنسی اپنے مقبول عام ہونے، سرکاری ساکھ کی موجودگی اور عوامی تائید کے باوجود از خود ثمن حقیقی نہیں ہے۔ کاغذی کرنسی کے اس بین الاقوامی کردار کے باوجود اب یہ محض ایک مقبول زر مبادلہ کی حیثیت رکھتی ہے جسے حکومتوں اور ریاستوں کی سرپرستی نے مقبول بنا رکھا ہے۔ کاغذی کرنسی کی یہ عالمی صورتحال مستقبل میں پیش آنے والے ممکنہ حالات کے باعث کئی قسم کے خطرات کو جنم دے سکتی ہے ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ کرنسی کی پشت پر موثر ضمانتیں یعنی معدنی کرنسی (سونا چاندی) نہ ہونے کے باعث اقوام اور مالک کی اقتصادی صورت حال بہت دگر گوں ہو چکی ہے۔ مختلف ممالک کے درمیان کرنسیوں کی شرح تبادلہ (Exchange Rate) بھی ایک مستقل مسئلہ ہے جس نے معاشی اعتبار سے کمزور ممالک کی اقتصادی اور سیاسی صورت حال کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ غیر ترقی یافتہ ممالک کی کرنسی ترقی یافتہ ممالک کی کرنسی کے مقابلے میں ادائیگیوں کا ایک کمزور رجحان رکھتی ہے۔

افراط زر کے اسباب

کاغذی کرنسی پہلے تو حکومت کے پاس موجود سونے چاندی کی مالیت کے برابر مقدار میں چھاپی جاتی تھی لیکن 1971ء میں بریٹن ووڈز (Breton Woods) معاہدہ ٹوٹنے کے بعد ایسی کوئی روک ٹوک باقی نہیں رہی اس کی وجہ ہے کہ کرنسی کنٹرول کرنے والے ادارے اور حکومتیں اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ کرنسی چھاپنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کرنسی زیادہ پیا جائے تو افراط زر کی وجہ سے اس کی قدر لامحالہ کم ہو جاتی ہے (یعنی قوت خرید کم ہو جاتی ہے) اس طرح لوگوں کا اور باقی دنیا کا اعتبار اس کرنس ی پر کم ہونے لگتا ہے۔ جو کرنسی والے ادارے کی حکومت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ لوگ اب دوسری کرنسی کی طرف رجوع کرنے لگتے ہیں اس لئے حکومتیں ایک حد سے زیادہ کرنسی نہیں چھاپ پاتیں۔ اس کی مثال سونے کا انڈا دینے والی مرغی کی طرح ہے۔ جسے ذبح نہ کرنا ہی سود مند رہتا ہے۔ لیکن تھوڑی تھوڑی مقدار میں بھی مسلسل کاغذی کرنسی چھپتے رہنے سے اس کرنسی کی قوت خرید کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کے برعکس دھاتی کرنسی کی قدر وقت کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسی لئے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اپنے رکن ممالک کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی کرنسی کو سونے

سے منسلک نہ کریں۔ اگر کوئی کرنسی سونے سے منسلک ہو گی تو آئی۔ ایم ایف کے لئے اس کی شرح تبادلہ اپنی مرضی کے مطابق کنٹرول کرنا مشکل ہو جائے گا۔[18]

پچھلی دہائی میں زمبابوے کی حکومت نے اپنی بقاء کے لئے بے تحاشہ کاغذی کرنسی چھاپ کر اپنی آمدنی میں اضافہ کیا۔ اس کے نتیجے میں 2008ء میں زمبابوے کے 1200 ارب ڈالر ایک برطانوی پاؤنڈ کے برابر رہ گئے۔ اس قدر افراط زر کی وجہ سے زمبابوے میں شرح سود ٪800 تک جا پہنچی تھی۔[19]

کاغذی کرنسی کا کمال یہ ہے کہ کسی کو اپنی بڑھتی ہوئی غربت کا احساس نہیں ہوتا اگر کسی مزدوری تنخواہ پانچ فیصد کم کر دی جائے تو اسے شدید اعتراض ہوتا ہے لیکن جب افراط زر کی وجہ سے اس کی تنخواہ کی قوت خرید دس فیصد کم ہو جاتی ہے تو وہ اتنا اعتراض نہیں کرتا۔ جتنے سالوں میں کسی کی تنخواہ دو گنا بڑھتی ہے اتنی ہی مدت میں سونے کی قیمت اور مہنگائی میں تین گنا اضافہ ہو چکا ہوتا ہے۔

افراط زر کا آغاز

علاء الدین خلجی (۴۳) کے دور حکومت (1296-1316 عیسوی) میں ہر چیز کی قیمتوں پر انتہائی سختی سے کنٹرول رکھا جاتا تھا۔ اس زمانے میں ایک عام فوجی سپاہی کی تنخواہ لگ بھگ 20 تنکا ماہانہ ہوا کرتی تھی جبکہ ایک تنکے میں 10 من چاول بکتا تھا۔ اس وقت کا ایک تنکا بعد کے شیر شاہ سوری (۴۴) کے ایک روپیہ کے بالکل برابر تھا۔[20]

1871ء میں چاول ڈیڑھ روپے من تھا جو 1893ء میں دو روپے من ہو چکا تھا۔ 1947ء میں پاکستان میں ایک امریکی ڈالر تقریباً تین روپے کا تھا جبکہ سونا 80 روپے تولہ تھا۔ 1965ء میں سونے کی قیمت 127 روپے فی تولہ تھی۔[21]

---

[18] hubpages.com/education/Economie-Savery in The Modern World as re12 August 2016, 05:12pm

[19] http://www.telegraph.co.uk/news/worldnews/1364924/Zimbabwe-interest interest-rates-up-to-800pc.html as retrieved on 12 August 11 2016, 5:25 pm

[20] http://www.academia.edu/3068338/Price control policy of alauddin Khilji as retrieved on 12 August 2016, 05:38pm

[21] www.google.com.pk/books?id=T6Fxm9b8h0IC&pg as retrieved on 12 August 2016, 05:35pm

پچھلے 255 سالوں میں قیمتیں دوگنی ہونے میں ابتدائی 185 سال لگے حالانکہ اس عرصے میں دنیا کو دو جنگ عظیم بھی جھیلنا پڑیں لیکن برین ووڈز کے معاہدے کے بعد کے 70 سالوں میں قیمت میں 50 گنا بڑھ گئیں۔[22]

قیمتوں کا بڑھنا کاغذی کرنسی کا لازمی جزو ہے۔(1930 تک سونے کی قیمت تقریباً20 ڈالر فی اونس تھی۔ یہ قیمت ڈیڑھ سو سال سے برقرار تھی۔ اتنے لمبے عرصہ تک قیمت مستقل رہنے کی وجہ یہ تھی کہ ڈالر کاغذی نہیں بلکہ دھاتی تھا۔اسی طرح برطانیہ میں عام استعمال کی اشیاء کی قیمت سترویں صدی سے 1914ء تک مستحکم تھی۔ 1717ء سے 1945 تک یعنی سوا دو سو سال تک برطانیہ میں سونے کی سرکاری قیمت 4.25 پاؤنڈ فی اونس تھی۔ بریٹن ووڈ کے معاہدے کے بعد برطانیہ میں سونے کی سرکاری قیمت سونے کی سرکاری قیمت ختم کر دی گئی۔ 1927ء میں ایک برطانوی پاؤنڈ کی قیمت ساڑھے تیرہ ہندوستانی روپے تھی۔1992 میں ہندوستان میں سونے کی قیمت لگ بھگ 26 روپے فی تولہ تھی۔ دوسری جنگ عظیم سے قبل یہ 30 روپے فی تولہ تھی۔اس وقت ایک عام فوجی سپاہی کی تنخواہ 60 روپے ہوا کرتی تھی۔[23]

مختلف کرنسی کے سالانہ افراط زر

سونا ایک غیر اعلانیہ بین الاقوامی زر کثیف (ہارڈ کرنسی) ہے۔اس کی قیمت کے بڑھنے سے کسی ملک کی کاغذی کرنسی میں ہونے والے افراط زر (مہنگائی) کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ 18 نومبر 2011 تک سونے کی قیمت میں ہونے والا سالانہ فیصد اضافہ مختلف کرنسی میں ملاحظہ کرنا ہو تو گولڈ پرائس ڈاٹ او آر جی پر کر سکتے ہیں۔[24]

اگر یکم جنوری 2000ء سے یکم جنوری 2014 تک کی سونے کی قیمتوں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پچھلے تیرہ سالوں میں پاکستانی کرنسی کی قیمت میں ساڑھے سات گنا اور ہندوستانی کرنسی کی قیمت میں پانچ گنا کمی آئی ہے جبکہ اسی دوران ایران میں مہنگائی لگ بھگ 60 گنا بڑھ چکی ہے۔[25]

---

[22] http://dailyreckoning.com/dollar-will-die-whimper-bang/ as retrieved on 12 August 2016, 05:43pm

[23] https://2ndlook.wordpress.com/tag/azad-hind-fauj/ as retrieved on 12 A 2016, 05:51 pm

[24] http://goldprice.org/as retrieved on 12 August 2016, 05:59pm

[25] https://goldsilver.com/blog/race-to-debase-fiat- currency-vs-silver-2000-2014 5 retrieved on 12 August 2016, 05:25

5 تاریخ کے انتہائی افراط زر

اگر کرنسی دھاتی ہو اور سکے اپنی مالیت خود رکھتے ہوں تو افراط زر نا ممکن ہو جاتا ہے۔ دھاتی کرنسی میں افراط زر صرف اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے۔ جب اس دھات کی اتنی بڑی کان دریافت ہو جائے کہ دنیا بھر کی ضرورت سے زیادہ ہو کیونکہ دھاتی کرنسی عالمی قبولیت رکھتی ہے۔ اس کے برعکس کاغذی کرنسی چھاپ کے حکومتیں اپنی آمدنی تو بڑھا لیتی ہیں لیکن سے عوام کو غریب بنا دیتی ہیں۔ اس طرح وہ اپنے عوام سے خفیہ طور پر انفلیشن ٹیکس وصول کرتی ہیں۔ 46-1945 میں ہنگری میں اتنی زیادہ کاغذی کرنسی چھاپی گئی کہ ہر چیز کی قیمت اربوں کھربوں پینگو تک جا پہنچی۔ حکومت نے ایسے کرنسی نوٹ جاری کئے جن پر مالیت نہیں لکھی ہوئی تھی اور روزانہ صبح ریڈیو پر اعلان ہوتا تھا کہ آج اس کی مالیت کیا ہو گی۔ 18 اگست 1946 کو پرانی کرنسی پینگلو کی جگہ نئی کرنسی فورنٹ جاری کی گئی۔

ایک فورنٹ 400000000000000000000000000000 پینگو کے برابر تھا (یعنی 400 ارب ارب ارب پینگو کے برابر)۔ 1919ء میں ایک امریکی ڈالر، جرمن مارک کے برابر تھا۔ صرف چار سال بعد نومبر 1923ء میں ایک ڈالر 4200 ارب مارک کے برابر ہو چکا تھا۔ ایک ڈبل روٹی کی قیمت 400 ارب مارک ہو چکی تھی۔ 15 نومبر 1923ء کو جرمنی میں نئی کرنسی رینٹن مارک جاری کی گئی۔ ایک نیا مارک پرانے 1000 ارب مارک کے برابر قرار پایا۔ پرانا مارک پیپر مارک کہلاتا تھا۔

اسی طرح ترکی میں نوٹوں پر سے صفر کم کرنے کے لئے کم جنوری 2005 کو نیا ترکش لیرا جاری کیا گیا۔ ایک نیا ترکش لیرا دس لاکھ (1000000) پرانے ترکش لیرا کے برابر مقرر کیا گیا۔[26]

تاریخ کے انتہائی ماہانہ افراط زر

ملک	کرنسی کا نام	بدترین مہینہ	ماہوار افراط زر	روزانہ افراط زر	قیمتیں دگنی ہونے کی مدت
ہنگری	ہنگرین پینگو	جولائی1946	419×10٪	207.19٪	15 گھنٹے
زمبابوے	زمبابوین ڈالر	نومبر 2008	7.96×10٪	98.01٪	24.7 گھنٹے
یوگوسلاویہ	یوگوسلاوی دینار	جنوری1994	10×3.13٪	64.63٪	1.4 دن
جرمنی	جرمن پیپر مارک	اکتوبر1923	29,500٪	20.87٪	3.7 دن
یونان	یونانی دراچمہ	اکتوبر1944	13,800٪	17.84٪	4.3 دن
تائیوان	قدیم تائیوانی ڈالر	مئی1949	2,178٪	10.98٪	6.7 دن

[26] http://www.econ.iastate.edu/classes/econ355/choi/golds.htm

عالمی طاقتوں کی سرگرمیاں

اسی دوران 1980ء کی دہائی کے اوائل میں کاغذی کرنسی کا مستقبل بچانے کے لئے فیڈرل ریزرو نے شرح سود بڑھا کر 20 فیصد کر دی (جو کبھی تاریخ میں نہیں رہی) اور نیو یارک مرکنائل ایکسچینج (New York Mercentile Exchange) سے نئے قاعدے قانون نافذ کروائے۔ اس کے نتیجے میں چاندی کے بڑے تاجر (Hunt) دیوالیہ ہو گئے لیکن دو مہینوں میں چاندی کی قیمتیں 80 فیصد تک گر گئیں۔ اس کے بعد دوبارہ کسی ایسے گولڈرن سے بچنے کے لئے عالمی سطح پر سونے کی لیزنگ شروع کی گئی تاکہ سونے کی قیمتیں کنٹرول کی جاسکیں۔ 1990 کی دہائی میں قیمتیں گرنے کی وجہ یہی سونے کی لیزنگ تھی۔ اس کی وجہ سے سونا برآمد کرنے والے مالک (جنوبی افریقہ، چین اور روس) بڑے خسارے میں رہے۔[27]

انڈریو میک گئیر (Andrew McGuire) نامی ایک سونے کے تاجر نے 29 مارچ 2010 کو ریڈیو پر ایک انٹرویو دیا جو اپریل 2010 کو نشر ہوا۔ اس میں انکشاف کیا کہ فیڈرل ریزرو کی ہدایت پر کس طرح جے پی مارگن چیز اور ایچ ایس بی چیز (HSBC) سونے کی قیمتیں گرانے میں کردار ادا کرتے ہیں۔

اس سے پہلے 3 فروری 2010 کو انڈریو میک گئیر نے کموڈٹی فیوچر ایکس چینج کمیشن Commodity Future Exchange Commission کو بتا دیا تھا کہ چاندی کی قیمت کس طرح تبدیل کی جائے گی اور دو دن بعد بالکل ویسا ہی ہوا۔ جس دن یہ معلوم ہوا کہ یہ راز انڈریو میک گئیر نے فاش کئے ہیں اس کے دوسرے دن یعنی 26 مارچ 2010 کو ایک تیز رفتار گاڑی نے انڈریو میک گئیر اور اس کی بیوی کو ٹکر ماری اور فرار ہو گئی۔ لندن کی پولیس ہیلی کاپٹر سے پیچھا کر کے اس ڈرائیور گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئی مگر بعد میں اس کا نام ظاہر کئے بغیر اسے برائے نام سزا دیگر چھوڑ دیا گیا۔ انڈریو میک گئیر کا خیال ہے کہ اسے قتل کرنے کی ناکام کوشش تھی۔[28]

اپریل 2013 سے سونے کی قیمت اچانک گرنے کی وجہ کومیکس (Comex) میں کاغذی سونے کے کنٹریکٹ (Gold Future) کی بڑے پیانے پر فروخت تھی جو امریکہ کی جے پی مورگن (P Morgan.J) سیکوریٹیز اور برطانیہ کی HSBC سیکیوریٹیز نے بیچے تھے۔

---

[27] https://www.bullionstar.com/blogs/koos-jansen/gold-leasing-is-a-tool-for-the-global-credit-game/as retrieved on 12 August 2016, 06:15pm

[28] https://www.sott.net/article/205674-Andrew-McGuire-whistle-blower. as retrieved on 12 August 2016, 06:19 pm

اسی طرح 28نومبر 2014 کو نیویارک کو میکس میں 50 ٹن کاغذی سونے کے کنٹریکٹ یک لخت بیچ کر قیت گرائی گئی تھی۔[29]

امریکی فیڈرل ریزروکا بار ہوا اور مشہور چیئر مین پال واکر (Paul Volcker)1979 سے 1987 تک فیڈرل ریز روکا چیر مین رہا تھا۔ اور 1980 میں سونے کی بے قابو ہوتی ہوئی قیمتوں کو لگام دینے میں اس کا بڑا ہاتھ میں جب وہ ٹریژری کا انڈر سیکریٹری تھا اس نے بریٹن ووڈز کا معاہدہ توڑنے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا اور اسے اس پر فخر تھا۔ اس نے ایک دفعہ کہا تھا

"Gold is my enemy. I'm always watching what gold is doing."[30]

سونا میرا دشمن ہے اور میں ہمیشہ نظر رکھتا ہوں کہ میرا دشمن کیا کر رہا ہے۔

1997 میں جب سونے کی قیمتیں بہت گری ہوئی تھیں سوئٹزرلینڈ نے اپنے 2600 ٹن سونے میں سے 1400 ٹن سونا بیچنے کا ارادہ ظاہر کیا جسے 2004ء تک مکمل کر لیا۔[31]

اس سے سونے کی قیمت گر کر 309 ڈالر فی اونس رہ گئی۔ اسی دوران برطانیہ نے اعلان کیا کہ وہ 415 ٹن سونا 2000-1999 کے دوران بیچے گا۔ اسی عرصے میں آئی ایم ایف نے بھی 435 ٹن سونا بیچا۔ اس طرح سونے کی قیمت مزید گر کر 258 ڈالر تک آگئی۔ جو پچھلے 22 سالوں کی کم ترین قیمت تھی۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بینکاروں نے افریقہ میں سونے کی کانیں کوڑیوں کے داموں خریدیں۔ شک کیا جاتا ہے کہ مرکزی بینکوں کی طرف سے بیچا جانے والا بیشتر سونا مرکزی بینک کے ہی مالکان نجی حیثیت سے خرید لیتے ہیں۔ لندن بلیئن مارکیٹ کچھ اس طرح کام کرتی ہے کہ عام طور پر خریدار کی شناخت ممکن نہیں ہوتی۔[32]

چین اب دنیا میں سب سے زیادہ سونا کانوں سے نکالتا ہے مگر ایک تولہ بھی بیچنے کو تیار نہیں۔ سونے کی اس طرح خریداری مغربی ممالک کے لئے ایک بڑا دردسر بن گئی ہے کیونکہ یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ کاغذی کرنسی پر اعتبار نہ

---

[29] http://american freepress.net/whos-forcing-golds-price-to-dip/as retrieved on 12 August 2016, 06:28pm

[30] http://www.nowandfutures.com/gold related quotes.html as retrieved on to August 2016, 09:15pm

[31] http://www.zerohedee.com/news/2014-10-28/things-make-you-go-hmmm-swiss-gold-status-quo-showdown as retrieved on 12 August 2016, 09:18pm

[32] http://news.bbc.co.uk/2/hi/business/15875.stm as retrieved on 12 August 2016 09:24pm.

کرنے والوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی جارہی ہے۔ یہ مشرقی ممالک کا کاغذی کرنسی پر اعتبار تھا جس نے انیسویں اور بیسویں صدی میں مغربی ممالک کو فوجی و تجارتی برتری اور خوشحالی عطا کی تھی۔

SDR (Special Drawing Right) کا آغاز

1971ء میں جب امریکہ نے اپنے تیزی سے گرتے ہوئے سونے کے ذخیرے کو بچانے کے لئے خود ہی بریٹن ووڈز کا یہ سسٹم توڑا تو اسے چند دوسری بڑی کرنسیوں کو بھی اپنی حکمرانی میں شریک کرنا پڑا۔ اس طرح SDR Special Drawing Right) وجود میں آیا جس نے کرنسی کے ذریعے ہونے والی عالمی لوٹ کھسوٹ میں بڑے کھلاڑیوں کا حصہ طے کر دیا۔ اس کے بعد ان ممالک نے حکومتی سطح پر سونا خریدنا بند کر دیا۔

اسی ایس ڈی آر (SDR) کی مدد سے ڈالر آج کی آقا کرنسی ہے اور حکومتوں کی سطح پر استعمال ہوتی ہے مگر عوام کی سطح پر بالکل استعمال نہیں ہوتی۔ دو ڈھائی سو سال قبل یورپ میں کاغذی کرنسی بھی حکومتوں کی سطح پر استعمال ہوتی تھی جبکہ عوام ہارڈ کرنسی استعمال کرتے تھے۔

بریٹن ووڈز کا معاہدہ توڑنے سے پہلے امریکہ نے G-7 میں شامل اپنے علاوہ باقی چھ بڑے صنعتی ملکوں کینیڈا، فرانس، جرمنی، برطانیہ، اٹلی اور جاپان سے یہ وعدہ لیا تھا کہ یہ ممالک بیرونی ممالک سے سونا نہیں خریدیں گے تاکہ سونے کی قیمتوں کو بڑھنے سے روکا جاسکے۔

سعودی عرب کو بھی ہدایت کی تھی کہ تیل صرف ڈالر کے عوض فروخت ہو گا اور کوئی اخراجات کے بعد بچنے والے ڈالر صرف امریکی حکومت کے پاس سرمایہ کاری کئے جائیں گے تاکہ سعودی عرب بھی سونا نہ خریدے۔ اس طرح گولڈ اسٹینڈرڈ کی جگہ عملی طور پر بلیک گولڈ اسٹینڈرڈ یعنی کروڈ آئل اسٹینڈرڈ اپنایا گیا۔ آئی۔ ایم۔ ایف ، ورلڈ بینک اور ڈبلوٹی او (W.T.O) جیسے عالمی مالیاتی ادارے بریٹن ووڈز سسٹم کو چلانے کے لیے بنائے گئے تھے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ برین ووڈ سسٹم ٹوٹنے کے بعد ان اداروں کو بھی ختم کر دیا جاتا مگر تیسری دنیا کا خون چوسنے والے نجی ادارے کرنسی چھاپ چھاپ کر روز بروز طاقتور ہوتے چلے گئے۔[33]

---

[33] http://www.gold-eagle.com/article/gold-drain-demonetization-hoax as retrieved on 13 August 2016, 07:24am

SDR میں چار کرنسیاں شامل تھیں۔ امریکی ڈالر کا حصہ 41.9 فیصد، یورو کا حصہ 37.4 فیصد، پاونڈ اسٹرلنگ کا حصہ اور جاپانی ین کا حصہ 9.4 فیصد تھا۔ آخری تینوں کرنسیاں بہت بڑی حد تک ڈالر کی دوست کرنسیاں ہیں جبکہ روس کی کرنسی روبل ''ڈالر دشمن'' کرنسی ہے اور ایس ڈی آر کا حصہ نہیں بن سکتی۔ بین الاقوامی تجارت میں چین کا بہت بڑا حصہ ہے مگر پھر بھی چینی یوان کا ایس ڈی آر میں کوئی حصہ نہیں تھا لیکن جب چین نے بھی بڑی مقدار میں سونا خریدنا شروع کر دیا تو30 نومبر 2015 کو آئی ایم ایف نے یوان کو ایس ڈی آر میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا جس پر عمل در آمد یکم اکتوبر 2016 سے ہو گا۔ یوان کا حصہ 10.92 فیصد ہو گا یعنی اسے پاونڈ اسٹرلنگ اور جاپانی ین سے بڑی کرنسی مانا جائے گا۔[34]

ڈالر کا بھی سونے چاندی سے تعلق ہوا کرتا تھا۔ جب 1969 میں ایس ڈی آر پہلی دفعہ متعارف کیا گیا تو یہ بھی0.888671 گرام سونے کے برابر تھا جو اس وقت ایک ڈالر کا ہوتا تھا۔ 1974 میں ایس ڈی آر کا تعلق سونے سے ختم کر کے 16 کرسیوں کی باسکٹ سے کر دیا گیا۔ 1981 میں اس باسکٹ سے 11 کرنسیاں نکال دی گئیں اور صرف پانچ باقی بچیں۔ 1999 میں یورو بننے کے بعد جرمن مارک اور فرانسیسی فرانک کی جگہ یورو کو مل گئی۔ اب ایس ڈی آر صرف آئی ایم ایف کے م مبر ممالک کے اعتبار پر انحصار رکھتا ہے۔ ڈالر پر تھوڑا بہت امریکی حکومت کا عمل دخل ہے لیکن ایس ڈی آر مکمل طور پر نجی ادارے کی جاری کردہ بین الاقوامی کرنسی ہے۔[35]

افراطِ زر کا تدارک

سوال یہ ہے کہ اس مقبولیت کے باوجود کیا کاغذی کرنسی عالمی معاشی مسائل کو حل کر رہی ہے یا ان میں مزید اضافہ کر رہی ہے، کیا اس کرنسی کے نظام سے غربت ختم ہو رہی ہے یا ساری دولت ایک مخصوص طبقے کے پاس اکٹھی ہو کر غریب کو غریب تر بنا رہی ہے، جب صورتحال ایسی ہی ہے تو اس کا حل کیا ہے؟ اس کے لیے ہمیں تاریخ کے ان ادوار پر غور کرنا ہو گا جن میں معاشی خوشحالی کا دور دورہ نظر آتا ہے، وہاں سے ہمیں اس خوشحالی کا سبب تلاشنا ہو گا اور آج کے دور کے مقابل اس دور میں وجوہ فرق تلاش کرنا ہوں گی۔ اس تناظر میں اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلام کے خیر القرون میں کاغذی کرنسی کا تصور بالکل نہیں تھا، بلکہ زمان قریب میں سلطنت عثمانیہ کے آخری دور تک بھی یہ مروج نہیں ہو سکی تھی، اسلام کے ابتدائی

[34] http://www.zerohedge.com/news/2015-11-30/imf-confirms-yuan-inclusion-sdr-basket-now-comes-hard-part-china as retrieved on 13 August 2016, 07:32am

[35] https://www.ec.europa.eu/paym/groups/pdf/fxcg/special_drawing_rights.pdf asretrieved on 13 August 2016, 07:43am

دور سے لے کر ماضی قریب تک سونے چاندی کے سکے یعنی درہم و دینار ہی بطور کرنسی استعمال ہوتے رہے ہیں، اور اس دور کی خوشحالی کا ذریعہ بھی یہی تھا کہ سونے چاندی کے از خود قیمتی ہونے کی وجہ سے اس وقت کی معیشت اور کرنسی کسی بھی بیرونی سہارے کی محتاج نہیں تھی۔ اس لیے اس وقت تک معیشت نے اپنے بل بوتے پر ترقی کی اور عوام کو معاشی آسودگی فراہم کی۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھیڑ خریدنے کے لیے ایک دینار دیا۔ حضرت عروہ نے آپ کے لیے اتنے پیسوں سے دو بھیڑیں خریدیں۔ پھر انہوں نے ایک بھیڑ ایک دینار میں بیچ دی اور ایک بھیڑ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ اس پر نبی پاک صلی علیہ وسلم نے تجارت میں برکت کی دعا دی، چنانچہ حضرت عروہ ہر سودے میں ہمیشہ ہی نفع کمایا کرتے تھے، خواہ وہ سودا مٹی کا ہی کیوں نہ ہو۔[36]

اب صورت حال یہ ہے کہ آج بھی ایک دینار کی مقدار کے برابر سونے سے ایک بھیڑ خریدی جاسکتی ہے اور اگر کوئی تھوڑی زیادہ کوشش کرے تو اس سے دو بھیڑیں بھی خریدی جاسکتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینار و درہم کی قیمت میں مسلسل استحکام پایا جاتا ہے، جبکہ کاغذی زر کبھی اور کسی بھی صورت میں اپنی قیمت برقرار نہیں رکھ سکتا اور روز بروز انحطاط کا شکار ہوتا ہے۔ گزشتہ سطور میں 1947ء سے 2017 تک کے افراط زر کے اشاریہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روپے کی قدر انتہائی تیزی سے کم ہوئی لیکن اس کے مقابلے میں اسلام کے عہد اول میں مسلمانوں میں زر کے جو معیاری سکے وجود میں آئے، ان میں دینار 4.374 گرام سونے کا تھا اور درھم 3.018 گرام چاندی کا تھا اور اکتوبر 2011ء کے اوائل کی قیمتوں کے مطابق و دینار تقریباً دو سو اٹھارہ امریکی ڈالر اور درہم تقریباً سوا تین امریکی ڈالر کا تھا۔ یہ قدری تعین ایک اہم نکتہ نظر پر لاتا ہے، مگر اکثر طور پر نظر انداز کیا گیا۔ اگر سونے اور چاندی کو قدر کے پیمانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تو مکہ اور مدینہ کی 14 سو سال پیشتر کی قیمتیں آج کی قیمتوں سے زیادہ مختلف نہ ہوتیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تمام اعداد و شمار سامنے رکھتے ہوئے اسلامی معیشت کی خود مختاری اور اسلامی معاشرے کی معاشی خوشحالی کے لیے عہد نبوی کی کرنسی کو فی زمانہ رائج کرنے کی عملی صورتوں کے بارے میں غور و فکر کیا جائے اور اس راہ میں آنے والی مشکلات کے حل کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں تا کہ ہمارا معاشرہ قرون اولی کی طرح ایک بار پھر ایک بہترین فلاحی معاشرہ بن سکے۔

---

[36] البخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۳۶۴۲، ج 1، ص ۶۴۳

نتائج

تصور کیا جاتا ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی زر کی پیداوار میں اضافہ یا کمی کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن بات یہ ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی کئی اسباب کی بناء پر ہوتی ہے۔ اگر زر کی مقدار بڑھ جائے تو اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور کرنسی کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ اگر ملک میں زرعی اور صنعتی اشیاء کی مقدار بڑھ جائے تو قیمتیں گر جاتی ہیں، اور زر کی قدر بڑھ جاتی ہے اس کے برعکس اگر اشیاء کی مقدار کم ہو جائے تو اشیاء کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ اگر زر کی گردش کی رفتار تیز ہو جائے اور زر کی اکائی پہلے سے زیادہ مرتبہ اشیاء خریدنے کے لئے استعمال ہو تو قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے اس کے برعکس جب سرد بازاری کے دوران زر کی گردش کی رفتار سست پڑ جاتی ہے تو قیمتیں گر جاتی ہیں اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے کیونکہ لوگ روپے خرچ کرنے کی بجائے اپنے پاس رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اگر آبادی بڑھ جاتی ہے لیکن اشیاء کی پیداوار جوں کی توں رہے تو طلب بڑھ جاتی ہے، اور اس کی وجہ سے قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات غیر متوقع اور ناگہانی طور پر مثلاً جنگ کے باعث اشیا کی مانگ بڑھ جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے۔ اگر کسی سال حکومت کی متوقع آمدنی اس کے اخراجات سے کم ہو تو مرکزی بینک سے قرض لے کر حکومت اس کو پر کرتی ہے۔ جس کے باعث افراط زر رونما ہو جاتا ہے اور اشیا کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اگر کسی ملک کی بیرونی ادائیگیوں کا توازن خراب ہو جائے لیکن اس نے اشیاء برآمد کم کی ہوں، اور درآمد زیادہ کی ہوں تو اس کی کرنسی کی بیرونی قدر کم ہو جاتی ہے باہر سے آنے والی اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور یوں ملک کے اندر بھی زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ اگر حکومت درآمد ہونے والی اشیاء پر بھاری محصول لگائے تو ان اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے۔ ان اسباب پر نظر رکھتے ہوئے افراطِ زر کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ افراط زر کی تین خصوصیات ہیں، جن پر معیشت دان متفق دکھائی دیتے ہیں۔ افراطِ زر کی صورت میں مندرجہ ذیل تین نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

قیمتوں میں اضافہ: افراط زر کے نتیجے میں قیمتوں میں لازماً اضافہ ہوتا ہے۔ **زر کی رسد میں اضافہ:** جب قومی وسائل حکومت کی مالیاتی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہتے ہیں تو وہ بینکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں اور عوام سے سرکاری کفالتوں یا بانڈ کی ضمانت پر قرضے حاصل کر کے اپنا کام چلاتی ہے حکومت کے اس اقدام سے زر اعتباری (Credit Money) میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ **اپنی تقویت کا خود باعث بننا:** افراط زر کا چکر جب ایک بار شروع ہو جاتا ہے تو پھر یہ خود بخود مضبوط سے مضبوط تر اور شدید سے شدید تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

سفارشات

1. حالیہ مسائل میں افراط زر ایک اہم ترین مسئلہ ہے اس سے نمٹنے کے لیے موثر مالیاتی پالیسیاں بہت اہم ہیں، ماہرین اقتصادیات کو ایسی جامع حکمت عملی وضع کرنے کی ضرورت ہے جو معاشی ترقی کو تحریک دینے اور زر کی قدر کے استحکام کو بر قرار رکھنے کی ضامن ہو۔
2. افراط زر کی بنیادی وجوہات اور مختلف شعبوں پر اس کے اثرات کو سمجھنے کے لیے ماہرین اقتصادیات کو مؤثر تحقیق اور تجزیہ کو ترجیح دینی چاہیے۔ صرف بنیادی عوامل کی نشاندہی کر کے ہی ہم ہدف اور موثر حل تیار کر سکتے ہیں۔
3. افراط زر سے نمٹنے کے لیے ماہرین اقتصادیات اور پالیسی سازوں کے درمیان باہمی تعاون کا قیام ضروری ہیں۔ آپس میں مکالمے کو فروغ دینے اور خیالات کے تبادلے سے، وہ اجتماعی طور پر ایسے عملی حل وضع کر سکتے ہیں جو معاشی ترقی کو فروغ دینے اور افراط زر کو روکنے کے درمیان ٹھیک توازن قائم کرتے ہیں۔
4. ثمن حقیقی (سونا اور چاندی) کو بطور کرنسی بحال کرنے کے لئے عملی اقدامات کرنے چاہیئں۔
5. حکومت کو مالی سوانح اور معاشیات کے ماہرین کی رہنمائی اور مشاورت حاصل کرنی چاہیئے تاکہ افراطِ زر کے حل کے لئے موثر اقدامات اٹھائیں۔
6. قومی بینکوں کو سونے اور چاندی جیسی سرمایہ کاریوں کیلئے مناسب تنظیمات پیش کرنی چاہیئیں۔ سرمایہ کاروں کو ملک میں سرمایہ کاری کے لئے مستحکم نظام و اسکیورٹی فراہم کرنی چاہیئے۔
7. مالیاتی اداروں کو مزید بہتر بنانے کیلئے افراطِ زر کے نتائج کا علم اور ان کے مقابلے کے لئے مناسب نظام کو بنانے کیلئے تحقیق کو فروغ دینا چاہیئے۔۔
8. عوام کو مالی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے تاکہ وہ افراطِ زر کے نقصانات کو سمجھ سکیں اور اس سے بچنے کے لئے صحیح فیصلے کر سکیں۔ حکومت کو چاہیے کہ عوامی سطح پر معاشی تعلیم کے براہ راست منصوبے پیش کرے۔